غالب کی ترجمانی اور صوفی اے۔ کیو۔ نیاز

ڈاکٹر محمد قاسم
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

SUFI A Q NIAZ AS GHALIB'S INTERPRETER

MuammadQasim
Assistant Professor of Urdu
AllamaIqbal Open University, Islamabad

Abstract

Sufi AQ Niaz rendered Mirza Asadullah Ghalib's select verse into English under the name of Whispers from Ghalib. It was published by Feroz Sons, Lahore in 1960. It comprises one hundred and fifteen verses from Ghalib's Urdu poetry. These verses are randomly picked from Divan-e-Ghalibputting no serious effort in this regard. This article is a critical analysis of Niaz's English rendition of Ghalib's Urdu verse.

Keywords:
غالب، اے کیو نیاز، فیروز سنز، لاہور، اسلام آباد، تراجم، اردو، مقتدرہ قومی زبان

صوفی اے۔کیو۔نیاز نے غالب کے کلام کا ترجمہ 'Whispers from Ghalib' کے نام سے کیا جو ۱۹۶۰ء میں فیروزسنز لاہور سے شائع ہوا۔مترجم نے اس کتاب میں غالب کے ۱۱۵/اشعار کا ترجمہ کرنے کی سعی کی ہے ،جن میں مسلسل اشعار یا غزلیات کے بجائے متفرق اشعار کو ملحوظ رکھا ہے۔ تسلسل میں صرف ''اے تازہ واردان ہوائے بساط دل'' کو دیکھا جاسکتا ہے۔صوفی صاحب نے غالب کے کلام کو لفظی طور پر ترجمہ کرنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ بقول ان کے لفظی ترجمہ، بے رس، مردہ اور لغو ہو جاتا ہے۔ان کے یہ تراجم transcreation کے ذیل میں آتے ہیں۔صوفی صاحب نے ہر شعر کو ایک الگ اکائی مانتے ہوئے ان کا ترجمہ کیا ہے اور کہیں بھی مکمل غزل کو ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی، جس کی وجہ انھوں نے غزل میں ربط و تسلسل کا نہ ہونا، بتائی ہے۔Whispers from Ghalib میں بعض مقامات پر غالب کے کلام کی بہت ہی عمدہ ترجمانی کی گئی ہے اور نزاکت متن کو فراموش نہیں ہونے دیا گیا، ملاحظہ ہو:

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

But no in the heart
of every drop of water
Latent lies the seed
Of a song, at the climax,
Which waxes into a cry
of "I am the sea". (۱)

لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

For a long, long time
I've been a devoted pupil
At the hard school
of inner griefs,
But still I stand
Only on threshold,
Learning to assimilate
The most elementry truths __

That 'rafat' means 'went away',
And 'was' in bood! (۲)

مندرجہ بالا دونوں تراجم میں کہیں بھی متن سے انحراف یا اضافہ کی صورت دکھائی نہیں دیتی اور دونوں تراجم متن کی نمائندگی میں کامیاب ہیں ۔ پہلے شعر کے ترجمہ میں 'انا البحر' کے الفاظ کو بہت ہی اچھے طور سے ترجمہ کیا ہے اور لہجے کی بازیافت ترجمہ میں دکھائی دیتی ہے ۔اسی طرح دوسرے شعر کے ترجمے میں مفہوم کی ادائیگی کا پورا پورا خیال کیا گیا ہے ۔خاص طور سے مکتب عشق میں عاشق کے مبتدی ہونے کو بہت ہی عمدگی سے واضح کیا۔یعنی 'But still I stand only on threshold' کہ میں ہنوز دروازے پر کھڑا ہوں کہہ کر معانی کی شدت میں اضافہ کیا ہے اور رفتن وبودن کی بھی 'elementry truths' سے مکمل طور پر عکاسی ہو رہی ہے۔

صوفی نیاز کے تراجم میں کچھ مقامات ایسے بھی ہیں کہ جہاں متن کا مفہوم ترجمے کے مفہوم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔غالب کے مفہوم کو سمجھے بغیر ہی مترجم نے اس کو اپنے معانی عطا کر دیے ہیں، دیکھیے:

جب میکدہ چھٹا تو پھر کیا جگہ کی قید
مسجد ہو ، مدرسہ ہو ، کوئی خانقاہ ہو

In some wild tavern,
With a tankard of wine,
If I may not lend myself
To the mood of the moment,
It matters little where I pass
The rest of my days.
Let it be a mosque,
Or a monastery, or an old
Shrine of some saint __
Anywhere, and anyhow __
What difference, at all,
Does it make? (۳)

فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

Like a sudden blaze
Which leaps up
In a heap of straw,

The fire of a Love
Which springs from the baser appetites,
Or a desire for gain,
Consumes itself and dies,
In a flash; and nothing remains
But a heap of ashes,
Or half burnt odds and ends! (۴)

مندرجہ بالا دونوں تراجم لغو ہیں اور انھیں مفہوم متن سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ پہلے شعر کے ترجمہ میں 'میکدہ چھٹنے' کے مفہوم میں جو جبر ہے وہ ترجمہ کی زینت بننے سے قاصر رہا ہے۔ مترجم نے اس ترجمے میں فاش غلطی کی ہے۔ غالب نے مے خانے کے چھٹنے پر مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کو بھی میکدے کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ یعنی جہاں شراب نوشی کا تصور بھی محال ہے، ان مقامات کو بھی شغل مے کے لیے جواز ٹھہرا لیا ہے۔ جب کہ مترجم نے میکدہ چھٹنے پر زندگی کے ایام بقیہ کے گزارنے کو مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کے ساتھ وابستہ کر دکھایا ہے۔ زندگی گزارنے کا مفہوم مترجم کا خود ساختہ ہے، اس کو متن سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرے شعر میں غالب نے ہوس کو حرص و ہوس کے مفہوم میں نظم کیا ہے اور اسے شعلہ خس کی لحاتی کیفیت سے واضح کیا ہے کہ ہوس جو سرمایہ رقیب و بوالہوس ہے، اسے وفا سے کیا واسطہ؟ مترجم نے ہوس کے لفظ کو 'عشق' کی پوشاک عطا فرما دی ہے اور اس کو 'love' ترجمہ کر دیا ہے اور ازاں بعد اس کی وضاحت میں مثالیں پیش کی ہیں۔ جس لفظ پر شعر کی بنیاد تھی جب وہی غلط ہے تو ترجمہ اس خرابی سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے؟

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

I too have known
Of a thousand ways of disporting
Myself, and drinking to the lees
That sparkling cup
With which the dancing lights
Of our destiny or our doom,
With madness burning in the veins,
Do lead us on! But now, alas,

Those reckless raptures seem
But little more
Than half forgotten memories
Of a dim and distant dream! (۵)

بزم آرائیوں کو 'disporting' یعنی کھیل کود سے کیا تعلق؟ اور کیا ضروری ہے کہ بزم آرائیوں کو شراب اور ناچتی ہوئی روشنیوں اور نشہ شراب کے رگوں میں پھیلتے ہوئے وحشی پن ہی پر قیاس کیا جائے؟ کیا ماضی کی محفل گم گشتہ کسی اور یاد سے وابستہ نہیں ہوسکتی؟ جوفضا شعر میں غیر واضح تھی مترجم نے اس کو اپنی مرضی کے مفہوم پہنا کر واضح اور لغو بنا دیا ہے۔اس طرح کی متعدد مثالیں صوفی نیاز کے تراجم میں ملتی ہیں کہ جہاں متن غالب کے مفہوم میں اس قدر توسیع کی گئی ہے کہ اس کو ترجمہ شدہ متن سے کوئی تعلق ہی نہ رہا۔

چند ایسی مثالیں جہاں مفہوم متن کو سمجھے بغیر نئے معانی پیدا کرنے کی مساعی کی گئی ہے۔

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا رہ گزر یاد آیا

My days, somehow, would have
Dragged themselves out,
Even without the strength
From memories derived:
Why, then, does this
Sweet, haunting pain
Such havoc play
With my peace of mind? (۶)

اس شعر کے ترجمے میں جناب صوفی نیاز نے مفہوم کو خلط کر دیا ہے۔ غالب کے شعر میں ''راہ گزر'' کی یاد اندوہ اور قلق کا باعث ہے جب کہ ترجمے میں اس کی اور ہی صورت دکھائی گئی ہے۔مترجم نے جانے کس بنا پر یادوں سے حوصلہ اور طاقت کشید کرنے کے معانی اخذ کر لیے ہیں۔یادوں سے حوصلہ کشید کیے بغیر دن گزارنے کی بات کا شعر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔راہ گزر کا یاد آنا محبوب کے ساتھ وابستگی سے مشروط ہے یعنی یہ راہ گزر صرف یادوں سے نہیں بلکہ محبوب کی یادوں سے اٹی ہوئی راہ گزر ہے اور یہ یادیں ایک کرب اور ایک اندوہ کی سی کیفیت رکھتی ہیں تا کہ حوصلہ مندی کی۔اسی طرح دوسرے مصرعے کی ترجمانی میں Sweet haunting pain، Such havoc play اور Peace of mind کا برتنا

باعث حیرت بھی ہے اور متن سے بے علاقہ بھی۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

The good, of course, I know ;
And well do I approve of it ;
But yet I pursue the worse,
Being helpless in the matter ;
For there is no incense
I can burn at the altar
Of mine own nature
To persuade it to take
The virtuous turn ! (۷)

غالب نے زہد وعبودیت کی بات کی ہے اور طبیعت کے اس طرف مائل نہ ہونے کا تذکرہ بھی کیا ہے یعنی یہاں خلوص نیت اور اخلاص قلب سے عبادت کی آرزو ہے مگر اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبوری کے باعث ہنوز یہ مقام سعید حاصل نہیں ہو سکا جب کہ مترجم نے برائی کی طرف راغب ہونے اور اس معاملے میں بے اختیار ہونے کا مفہوم اخذ کر لیا ہے۔علاوہ ازیں اپنی طبیعت کی قربان گاہ پر خود کو جلانا اور پاکباز ہونا کسی بھی طور کلام غالب سے مطابقت نہیں رکھتا۔

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ دو شمعیں فروزاں ہو گئیں

This desolate evening
Is the beginning of separation
From my sweetheart-----the beginning
Of a dreary existence,
Devoid of sweetness
And the meaning of life.
Let tears of blood
Now flow from my eyes,
Even until they lose
Their light : I'll take it
That two dripping candles

Have melted away,
And wasted themselves
In the night! (۸)

غالب نے شام فراق کی بات کی ہے اور اسی مناسبت سے ''شمعیں دوفرزواں'' کا ذکر کیا ہے۔ مترجم نے شام فراق اور شمعیں دوفروزاں کی مناسبتیں مکمل طور پر فراموش کر دی ہیں اور غالب کے شعر کی امیجری ترجمے کی گرفت میں آتے آتے بہت کچھ تبدیل ہو کر رہی گئی ہے۔ اشک خونیں آنکھوں سے تب تک بہیں گے جب تک ان کی روشنی ختم نہ ہو جائے اور پھر شمعیں دوفروزاں کے لیے "Dripping Candles" بھی کچھ مناسب نہیں ہے۔ جلتی ہوئی شمعیں اور ٹپکتی ہوئی شمعوں میں بہت فرق ہے اور پھر ان شمعوں کا رات بھر جل کر اپنے آپ کو ضائع کر لینا، متن غالب سے بہت آگے کی بات ہے۔ اس شعر کی ترجمانی میں امیجری کے بدل جانے سے مفہوم بھی بہت کچھ غلط ہو کر رہ گیا ہے۔

فنا تعلیم درس بیخودی ہوں اس زمانہ سے
کہ مجنوں لام، الف لکھتا تھا دیوار دبستاں پر

Long ago when Majnoon
Was still a child,
On the walls of the school
Writing his alphabet,
My life and all I yielded
To a realisation of the mystic
View of self-abnegation
In the paths of love.
But of those aspirations
The long awaited fulfilment?
Ah, not yet! (۹)

لام الف سے مراد لا یعنی حرف نفی ہے اور غالب نے اسی مناسبت سے مصرئ اولیٰ میں فنا اور بے خودی سے ان کا معنوی ارتباط کیا ہے۔ اہم بات ہے کہ مجنوں سے لام۔ الف کے الفاظ ہی کیوں لکھوائے گئے؟ ابجد بھی تو لکھوائے جا سکتے تھے؟ حرف نفی جو دلیل فنا بھی ہے کو فراموش کر دینے سے دونوں مصرعوں کے درمیان ربط و رعایت معنوی باقی نہیں رہا۔ Writing His Alphabet یعنی ابجد لکھوانے کے باعث ترجمہ شدہ متن میں وہ معنوی اتصال نہیں رہا جو غالب کے شعر میں دونوں مصرعوں کے درمیان موجود ہے۔ علاوہ ازیں بے خودی میں فنا ہونے کا تاثر بھی اجاگر نہیں ہو پایا اور ترجمے کی

آخری تین سطریں بھی متن غالب سے مطابقت نہیں رکھتیں اورتوسیع کے ذیل میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ''تعلیمِ درسِ بے خودی'' میں فنا ہونا اور بات اور ''ہنوز خواہشات دیرینہ کی تسکیں نہ ہو پانا''، مکمل طور پر متخالف ومتضاد باتیں ہیں۔علاوہ ازیں غالب کے اس شعر میں جو تصویر دکھائی دیتی ہے، ترجمے تک پہنچتے پہنچتے اس میں بھی تغیر واقع ہو جاتا ہے اور ترجمے میں جو صورت نظر آتی ہے، اس میں مجنوں لام۔الف کے بجائے محض ابجد لکھ رہا ہے اور وہ ابھی اپنے خود کے ابجد۔

فاضل مترجم نے اکثر مقامات پر ایک شعر کی ترجمانی اس قدر طویل کی ہے کہ چیستان کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔اس بے جا اطناب کے باعث متن غالب کا مفہوم تلاش کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ وہ اس بھیڑ میں کہاں کھو گیا ہے۔ذیل کی مثال میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے:

مئے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

And as for your moral preaching,
Your sublime philosophising,
Only please allow me to say
That I do not understand It
And much less do you seem
To understand me if you think
I drink for pleasure__
That I drink from choice,
For the sake of a borrowed
Feeling of exhilaration.
Not at all; oh no:
I drink because I am human
Life, as you know,
Often hurts like hell;
And many a time,
Through the day and night,
I feel the knife
Going deep into my heart,
When I feel the pain
More than others,

Being more human
On such occasions I drink __
To get away from the pain;
To forget it, if possible
Call it folly, if you like,
Or cowardice, or just unmanly escapism;
But I call it human __
Deeply, intensely human
So let me be, and let me
Life my life, even though
I have nothing better
To live it on than drink! (۱۰)

جیلانی کامران نے اپنے مضمون 'شعری ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات' میں صوفی نیاز کے ترجمے کے بارے میں لکھا ہے:

''غالب کو بجا طور پر صوفی نیاز کے انگریزی ترجمے میں شناخت کیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ صوفی نیاز کا ترجمہ روایتی 'Heroic Couplet' کا سانچہ استعمال نہیں کرتا لیکن غالب کی شعریت تک ضرور رسائی پاتا ہے۔''(۱۱)

جیلانی کامران کی اس رائے سے کاملاً اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ صوفی نیاز کے تراجم میں ایسے مقامات بہ لحاظ تعداد بہت کم ہیں، جہاں غالب کی 'شناخت' ممکن ہے۔ جب کہ ایسے مقامات بکثرت ہیں کہ جہاں مترجم نے غالب کے اشعار کو اس حد تک ترجمہ میں پھیلا دیا ہے کہ اصل مفہوم غارت ہو گیا ہے اور ایسے مقامات بھی ہیں کہ جہاں مترجم سے مفہوم کو سمجھنے میں سہو ہوا ہے۔ لہٰذا جیلانی کامران کی یہ رائے وقیع نہیں ہے۔

کلامِ غالب کے اس ترجمے میں جناب صوفی نیاز نے بے شمار ایسی مثالیں رقم کی ہیں جہاں متن کی ترجمانی میں توسیع و تحریف واضح دکھائی دیتی ہے۔ علاوہ ازیں حشو و زوائد سے بھی اس ترجمانی کا دامن بھرا ہوا ہے اور غالب کے اشعار میں جو ایجری جلوہ نما ہے وہ ترجمے کی گرفت تک آتے آتے بہت کچھ بدل گئی ہے۔ کچھ مقامات ایسے بھی ہیں جہاں ایک شعر کے ترجمے میں تیس سے زائد سطروں کا اہتمام کیا گیا ہے لیکن کلام غالب پھر بھی ترجمان کی گرفت سے آزاد رہا اور ایسے مقامات کو دیکھ کر محسوس

ہوتا ہے کہ فاضل مترجم بھول گئے کہ وہ غزل کے ایک شعر کا ترجمہ کر رہے ہیں اور یہاں بہ طور صنف غزل کی ایمائیت بری طرح مجروح ہوئی ہے۔

Whispers From Ghalib کے ان تجزیات کی روشنی میں یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ غالب کا کلام اپنی تمام تر فکری گہرائی، پیچیدگی خیال اور وسعت کمال کے باوصف ایک ایسا ہفت خواں ہے، جسے طے کرنے کے لیے محض ذوق سلیم اور زبان پر عبور ہی کافی نہیں ہے، بلکہ کلاسیکی اردو غزل کی شعریات سے دل چسپی اور غزل کی ''تہذیب'' سے وابستگی از حد لازم ہے۔ جناب صوفی نیاز نے بقدرِ ظرف اور بقدر ذوق، بساط بھر کوشش تو کی ہے لیکن ان کوششوں کو کامیابی کم کم ہی نصیب ہو سکی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) Sufee A.Q Nayaz, Whispers From Ghalib (Lahore: Feroz sons, 1960) 47

(۲) Ibid., 38

(۳) Ibid., 43

(۴) Ibid., 59

(۵) Ibid., 28

(۶) Ibid., 52

(۷) Ibid., 70

(۸) Ibid., 27

(۹) Ibid., 37

(۹) Ibid., 41

(۱۱) شعری ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات از جیلانی کامران مشمولہ اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1986، ص 226

✿✿✿